اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۱۷۳، سال ۲۰۲۴ء

احمد ندیم قاسمی کے معاشی تصورات اور سماجی انصاف

روبینہ ارشد
لیکچرار اردو
عائشہ صدیقہ ماڈل ڈگری اینڈ کامرس کالج، لاہور
محمد ابوبکر فاروقی، پی ایچ ڈی
لیکچرار اردو
شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف گجرات

AHMAD NADEEM QASMI'S CONCEPTS OF SOCIO-ECONOMIC IDEOLOGY AND JUSTICE

Robina Arshad
Lecturer in Urdu
Ayesha Siddeqa Commerce College, Lahore

Muhammad Abu Bakar Faruqi, PhD
Lecturer in Urdu
University of Gujrat, Gujrat

Abstract

Society came in to existence when human being learnt to live together in developed communities. As the human awareness and conscious developed expertise in the modes of expression, the earliest specimen literature emerged. Literature is of special values for masses. The river of life flower on arnid time and circumstances. Many social and economic ebbs and flows affect the current of life. The life of Ahmad Nadeem Qasmi, an iconoclast, was mosaic of struggles, troubles and problems. His poetry reflects an acute awareness of social and economic miseries of life.

Keywords:
Ahmad Nadeem Qasmi, Poetry, Socio-Economic, Justice, Literature.

احمد ندیم قاسمی نے برصغیر کی غلامی کے ایام میں آنکھ کھولی۔ اس وقت انگریز تہذیب اور معاشی استعماراِیت عروج پر تھی۔ مشرق پر اس کی حریص نظریں گڑی ہوئی تھیں اور اس کا یہ راہ راست ہدف تھا۔ یہ سب مسلمانوں کے داخلی انتشار، بے حسی اور سہل پسندی کا نتیجہ تھا۔ مسلمان قوم خود اپنے ملی شعور کو مجروح کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ گویا ملت اسلامیہ عالم پیری سے گزر رہی تھی۔

احمد ندیم قاسمی ایسے مسلم مفکرین میں سے ہیں جنھیں اس صدی کے آغاز میں مغربی تہذیبی و معاشی خلف شار اور استعماری رویے کا تنقیدی جائزہ لینے کا موقع ملا۔ جس میں انھیں ایسے محرکات نظر آئے جو ایک طرف اقوام مشرق کے لیے تباہ کن تھے تو دوسری جانب مغرب کی تباہی پر بھی شاہد تھے۔ ان کے ہاں ہمیں معاشیات کے موضوع پر گہری دل چسپی ملتی تھی۔ حال آں کہ دوران تعلیم انھوں نے اس علم کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کیا تھا، تاہم وہ اپنے ذاتی مطالعے کی وجہ اقتصادی و معاشی مسائل و نظریات کو خوب اچھی طرح سمجھنے لگے تھے۔ قاسمی نے مشاہدہ کیا ہے کہ اگر رعایا کے ایک طبقے میں ہن برستا ہو، دولت سے ان کی تجوریاں بھری رہیں اور دوسرا طبقہ فاقوں سے جاں بلب ہو، تو یہ صورت حال سماجی انصاف کے تقاضوں کے سراسر منافی ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے اس صورت حال سے پیدا ہونے والے انتشار کو روکنے اور معاشی مسائل کے حل کے لیے کئی تجاویز دیں۔ ان کی کتاب **جلال و جمال** دراصل غربت و افلاس اور معاشی و سماجی ونا انصافی کے خلاف احتجاج تھا۔ **جلال و جمال** کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کے مروجہ معاشی نظریات کا تجزیہ کرتے ہوئے ان پر تنقید بھی کی ہے۔

نظریات و تصورات کے حوالے سے انسانی معاشرتی زندگی کے مختلف پہلو ہیں۔ ان پہلوؤں میں معاشرتی، مذہبی، ثقافتی، اور معاشی پہلو قابل ذکر ہیں، اگرچہ تمام معاشرتی پہلو بہت اہمیت کے حامل ہیں لیکن معاشی پہلو کو انسانی زندگی میں منفرد مقام حاصل ہے۔ انسانی ماحول اور معاشرے کا قیام، بقا اور ارتقا معاشی پہلو پر منحصر ہے۔ معاشرتی عمرانیات اور معاشی مفکرین نے معاشرتی و تہذیبی تفاعل کے بارے میں نظریات قائم کیے، دیگر معاشرتی پہلوؤں کی طرح معاشی مفکرین نے معاشی نظریات اور تصورات کو معاشرے کی بنیاد قرار دیا۔

> "Economics is a social science which studies individual and organization engaged in the production exchange and consumption of goods and services."(1)

ترجمہ: معاشیات ایک سماجی سائنس ہے جو سامان اور خدمات کی پیداوار کے تبادلے اور استعمال میں مصروف فرد اور تنظیم کا مطالعہ کرتی ہے۔

> "Economics is the study of how people make their living, how they acquire the food,shelter,clothing and other materials necessities and comforts their world.It is a study of the problems they encounter of the way in which these problems can be reduced."(2)

ترجمہ: معاشیات اس بات کا مطالعہ ہے کہ لوگ کس طرح اپنی زندگی گزارتے ہیں، وہ خوراک، رہائش، لباس اور دیگر ضروریات کی چیزیں کیسے حاصل کرتے ہیں اور اپنی دنیا کو آرام پہنچاتے ہیں۔ یہ ان مسائل کا مطالعہ ہے جس سے وہ ان مسائل کو کس طرح کم کر سکتے ہیں۔

معاشی اور معاشرتی نظریات اور تصورات کی روشنی میں معاشی و معاشرتی اصول وضوابط مرتب کیے گئے۔ انفرادی اور اجتماعی کیفیات سماج کے مطابق عملی تجربات اور نتائج کا سلسلہ چل نکلا اور مختلف معاشی مکتبہ ہائے فکر وجود میں آئے۔ جن کے منطق کی روشنی میں مختلف معاشرتی طبقات ظہور پذیر ہوئے اور معاشرہ طبقاتی تقسیم کا شکار ہو گیا۔ان طبقات کے معاشی و معاشرتی نظریات میں اختلاف دکھائی دینے لگا۔ایک طرف امرا اور رؤسا کا طبقہ وجود میں آیا دوسری طرف غریبوں اور بے بسوں کے گروہ دکھائی دینے لگے۔ معاشرے میں عدم استحکام دکھائی دینے لگا۔معاشی بے بسی اور بے زاری معاشی تنزلی اور معاشی ابتری، معاشی عدم مساوات ، معاشی غلامی اور معاشی بے راہ روی کا انتہائی ناقابل قبول نظام قائم ہوا۔اس عدم توازن کے شکار معاشی نظام میں حصول زر اور طلب زر کے ایسے طریقے اپنائے گئے جو معاشی اور معاشرتی زوال کا باعث بنے۔ افراد کو نام نہاد معاشی خوشحالی کے گرداب میں پھنسایا گیا اور معاشی خوشحالی اور آسودگی کے تاریک بھنور میں غلطاں پیچاں بے دست و پا بھٹکتے رہنے کے لیے دھکیل دیا گیا معاشی آسودگی کے نام نہاد فریب دکھانے کے لیے ناقابل عمل معاشی منصوبہ بندیوں کا سہارہ لیا گیا اور غلامی افراد کا مقدر بن کر رہ گئی۔

علم معاشیات کے مفکرین نے معاشرے کے افراد کے لیے نام نہاد معاشی نظام کے تحت معاشی مساوات، معاشی حقوق کی پاسداری، معاشی خوشحالی، حصول زر اور طلب کے حصول کے لیے جو معاشی عملی

اقدامات، نظریات اور تصورات پیش کیے، وہ محض خیالِ خام کی ناقابل عمل تصویر بن کر رہ گئے۔ علامہ اقبال نے اس نام نہاد معاشی نظام سے متعلق نظریات اور تصورات پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش
تیری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خم دار کی نمائش مریز و کج دار کی نمائش
جہاں مغرب کے بت کدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خون ریزیاں چھپاتی ہے عقل عیار کی نمائش(۳)

جدید استحصالی معاشی نظام کی خون ریزیاں عمل داریوں کو ندیم نے منطقی نتائج اخذ کرتے ہوئے تمام معاشی شعبدہ بازیوں کی بدولت بہ ظاہر فریب کاری کے رنگ میں ڈھلی نمائش کو رد کر دیا۔ وہ معاشرتی طبقاتی تقسیم کی اصل وجہ معاشی فریب کاریوں کی جھنکار کو قرار دیتے ہیں:

یہ جو زنجیر کی جھنکار سنی تھی تم نے
یہ کیڑے کوہیں پھرتا حد نظر
اسی جھنکار سے مسحور تھے اجداد اپنے
اپنی تاریخیں تھیں، ماضی اپنا
اسی چھن چھن سے گھروندے رہے آباد اپنے(۴)

ندیم جدوجہد اور کوشش کو کام یابی کی علامت سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق تمناؤں کا ثمر خود بہ خود ٹوٹ کر جھولی میں گرا نہیں کرتا بل کہ تمناؤں، آرزوں اور خواہشوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سخت کوشش سے کام لینا پڑتا ہے۔ معاشی آسودگی اور خوش حالی کے لیے عمل پیہم اور جدوجہد مسلسل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہمت اور جرأت معاشی اور معاشرتی آسودگی کے حصول کا پہلا اصول ہے۔ آزمائشوں اور صعوبتوں سے گھبرانے اور متزلزل کر دینے والی کیفیت منزل پر پہنچنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ آزمائش سے گھبرانا اور کسی سہارے کی تلاش کرنا آئین جفاکشی کے خلاف ہے کیوں کہ یوں کام یابی نہیں بل کہ ناکامی مقدر بن جاتی ہے۔

احمد ندیم قاسمی شاعرانہ فراست کے حوالے سے اپنے احساسات و جذبات کو جدید معاشی تصورات اور نظریات سے ہم آہنگ نہیں کر سکتے۔ ان کی ذہنی کیفیت ماہیت، معاشی ابتری اور آسودگی کی وجہ سے طبقاتی تقسیم کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ سماجی انصاف پر مبنی معاشرے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ طبقاتی مساوات، عدل و انصاف، دولت کی منصفانہ تقسیم، امیر اور غریب کے درمیان بہتر تعلقات کے خواہاں ہیں۔ ان کے شاعرانہ موضوعات مزدور، صارف اور معاشی آسودگی سے متعلق ہیں۔ آپ نے خرید و فروخت کرنے والوں کے مسائل، صارف کی ذہنیت اشیا میں معیار کی یکسانیت، قیمت خرید، خریداری، فروخت کاری کے اصولوں اور مصارف کی ذہنی سطح سے معاشی معاملات کی مطابقت، معاشی سطح پر انفرادی واجتماعی بے زاری و اضطراب، معاشی قتل و غارت معاشی اقدار اور معاشی وسائل و مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ آپ نے معاشی اقدار، طلب و رسد کے معاملات، افرادی قوت کی بے بسی، دہقان اور خون میں بنائے ہوئے مردوزن کی اجرت اور لگان میں قابل غور تفاوت، مزدور کی قوت خرید قوت لایا قوت سے عدم مطابقت کی حامل نجی معاشی اکائیوں کو زیر موضوع بنایا۔ معاشی ناہمواریوں اور پست معیار زندگی جو طبقاتی تقسیم کی بدولت ہے، ندیم کو کسی صورت بھی قابل قبول نہیں۔ وہ ایسا انقلاب چاہتے ہیں جو سماجی انصاف کے اصولوں پر مبنی ہو اور مالک و مزدور، امیر و غریب، بے بس اور صاحب حیثیت مرتبوں میں کمی کر دے اور غریبوں، دہقانوں مزدوروں کو آسودگی کا پیغام دے۔ کہتے ہیں:

ہم آفتاب ضمیر جہاں میں بوئیں گے
تو ایک روز عظیم انقلاب کاٹیں گے
ہم آفتاب ضمیر جہاں میں بوئیں گے
زمیں پہ خلد بریں کا خواب کاٹیں گے(۵)

ندیم کی شاعری انقلاب کی داعی ہے۔ وہ محنت، جدوجہد اور عمل پیہم کو انقلاب کا ذریعہ سمجھتے ہیں احساس کی لو کو روشن رکھتے ہیں، جذبات کو درست سمت میں قائم رکھتے ہیں اور مقصد پر نظریں جمائے رکھتے ہیں۔ انقلاب کی منزل نزدیک سے نزدیک تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

کوئی بتائے زمیں کے اجارہ داروں کو
بلا رہے ہیں جو گزری ہوئی بہاروں کو

کہ آج بھی تو اسی شان بے نیازی سے
چمک رہے ہیں درانتی کے تیز دندانے(۶)

جہد مسلسل میں لگن اور خلوص سے استقلال اور ازلی کامرانی کا رنگ نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ کبھی یہ سنہری فصل کے روپ میں اور کبھی نظام کہن کی اصلاح اور ترتیب کے انداز میں محنت کشوں کے جفا رنگ چہروں کی امنگوں کی اٹھان میں دکھائی دیتا ہے۔

سنہری فصل تک اس کی چمک نہیں موقوف
کہ اب نظام کہن بھی اسی کی زد میں ہے۔
خمیدہ ہل کی یہ اٹھر جوان نور نظر
جب اس نظام میں لہرا کے غوطہ زن ہوگی
تو ایک گیت چھڑے گا ---مسلسل اور دراز
ندیم ازل سے ہے تخلیق کا یہی انداز
ستارے بوئے گئے آفتاب کاٹے گئے(۷)

ندیم کی شاعری میں معاشی ابتری ناانصافی اور ظلم و جور کی راہیں مسدود کرنے کے لیے سماجی انصاف کی آواز بلند کرنا اپنے شاعرانہ منصب کا وقار سمجھتے ہیں۔ وہ جوان دھڑکنوں کو معاشی آسودگی کی منزل کا پتہ دیتے ہیں۔ ان کے دل میں بھی کبھی نہ معقوب ہونے والا حوصلہ ہے۔ وہ باوقار طریقے سے جدوجہد جاری رکھنے کا درس دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہر خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ اگر آج معاشی ناآسودگی ہے تو کل سماج انصاف کے حقیقت پسندانہ اور کامیاب دور کا آغاز ہوگا،

ندیم کی غزلوں اور نظموں کے پس منظر میں معاشی ابتری اور سماجی انصاف کی اجڑی ہوئی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ ان کی شاعری بستیوں، آبادیوں اور علامتوں کی جھلک دکھاتی ہے جہاں ساز کی نغمہ سرائی نہیں بل کہ بلکنے اور سسکیاں بھرنے کی دبی دبی آہیں سنائی دیتی ہیں۔ ندیم معاشی نظام کو اس کی ظالمانہ اور ستم گرانہ چالوں کی وجہ سے فاشفت نظام کی بدترین شکل قرار دیتے ہیں۔ اس نظام کے تحت پیدا ہوتی عدم مساوات، انسانیت دشمنی اور ذہنی ناآسودگی، احترام انسانیت کی بیخ کنی تصادم آمیز انتشار پسندی کے غیر متوازن اور قابل مستر د رجحانات کو خون چکاں داستاں رقم کرنے کی تحریک مل رہی ہے۔ خود فریبی اور

خود غرضی کی آزاد خیالی پر مبنی مادیت پرستی کی تکون و تعمیر کے پس پردہ غیر محسوس معاشرتی اور معاشی تنزلی کا عمل کار فرما ہے۔ اس کی ناپسندیدہ حرکتوں کی وجہ سے ندیم جیسے حساس شاعر چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ ان کی شاعری کا سب سے بڑا اعجاز غریب، بے نوا دہقان اور مزدوروں کو قومی و ملی مرتبے اور مقام سے شناسا کروانا ہے۔ معاشی سطح پر عدم مساوات اور دولت کی نامنصفانہ تقسیم کی گرم بازاری معاشی تصورات کو مہمیز دینے کے لیے حامی ہے۔ شاعر کا ذہن ہر قسم کے معاشی ابہام سے پاک ہے۔ انہیں ذہنی یا فکری تحریک کے ذریعے عوام الناس کی ذہنی تربیت اور فکر و شعور کی بالیدگی کے لیے وجدانی اور الہامی شاہراؤں تک رسائی دیناہوگی۔ شاعر کے معاشی تصورات جو معاشی مساوات کے ضامن ہیں۔

ندیم معاشی اور معاشرتی غیر منطقی اور غیر متوازن نظام کے خلاف ہر لمحہ اور ہر پل جہاد کرتے رہے۔ وہ عدم مساوات تضادات اور غیر منطقی تصورات کو کسی صورت بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ معاشی اور معاشرتی سطح پر انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ وہ اس نظام کی چیرہ دستیوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ مزدوروں اور اس نظام کے پاٹوں میں پسے ہوئے بے بسوں اور بے کسوں کو جگاتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور حوصلہ بڑھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

فسردہ رخو، بے بسو، بے قرارو
بس اب سر سے پشتارۂ غم اتارو
بھلا عرصہ گاہِ حقیقت سے کب تک
ہراساں رہو گے مرے شہ سوارو
نئی کونپلیں منتظر ہیں تمہاری
خزاؤں کے زنداں سے نکلو بہارو
زمانے کی یہ وسعتیں ہیں تمہاری
بیاباں نصیبو، غریب الدیارو(۸)

احمد ندیم قاسمی کی شاعری کی بنیادی فکر انسانی عظمت کے اعتراف اور انسانیت کے احترام جیسے پاکیزہ اور فکر انگیز جذب و احساس کے حقائق سے مستحکم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کائنات کی ساری قوتوں کو انسان کے دائرہ تسخیر میں شامل سمجھتے ہیں۔ وہ ان تمام طاغوتی حربوں کے خلاف ہیں جو انسان کو مغلوب

ومفتوح بنانے کے لیے اپنائے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے مغربی جمہوریت کے ظالمانہ نظام، استماریت پر مبنی جاگیر دانہ اور سرمایہ دارانہ نظام جبر وستم کی تمثیلی، شہنشاہت دھوکے اور فریب پر مبنی استحصالی نظام کی مخالفت کی ہے۔ وہ ملک اور معاشرے میں ایسا انقلابی نظام دیکھنا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان اپنی تقدیر کا خود مالک بن جائے۔ وہ ان تمام منفی سرگرمیوں کے خلاف ہیں جن کی وجہ سے انسان غلامی و مظلومی، ذلت ورسوائی کے گڑھے میں گر کر دائمی ناکامی اور شکست سے دوچار ہو جائے۔ وہ انسان کے ذہن میں مثبت شعور وفکر اور احساس اجاگر کرنا چاہتے ہیں جو مبالغے اور جذباتیت سے مبرّا ہو۔ وہ ایسے سوزو گداز کے قائل ہیں جو قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے۔ ندیم کی مسرتیں وقت کے گل چیں سے اگر پہلو تہی کریں تو امنگ کا روپ دھار لیتی ہیں۔ وہ وہم کی تیرگی سے ارادوں کی پختگی اور عرفاں کامل کی فرحت بخش تازگی سے یقین محکم میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ یقین محکم ندیم کے انسان کو لازوال قوت عطا کرتا ہے۔ اس کی مثال درج ذیل اشعار میں دکھائی دیتی ہے:

ہوس سے عشق کو دست وگریباں کردیا میں نے
زمانے کے خردمندوں کو حیراں کردیا میں نے
لہو ٹپکا کے گرد آلود اور آوارہ تنکوں پر
زمیں کے چپے چپے کو گلستاں کردیا میں نے
قدم بوسی ہی جن بدبخت ذرّوں کا مقدر تھی
جِلا دے کر انہیں مہرودرخشاں کردیا میں نے
غریبوں کے گریباں کو قباؤں میں بدل ڈالا
امیروں کی قباؤں کو گریباں کردیا میں نے
جلا کہ شمع احساس و تفکر خانۂ دل میں
اندھیرے رہگزاروں پر چراغاں کردیا میں نے
جسے تہذیب حاضر نے نکالا اپنی محفل سے
پھر اس جوش جنوں کو دین و ایماں کردیا میں نے
غرض احساس کی قندیل کو سینے میں بھڑکا کر
پھر اس بھٹکے ہوئے انساں کو انساں کر دیا میں نے(۹)

ندیم نے معاشرت کے بہتر نظام کے قیام میں عملی طور پر جو کردار ادا کیا اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ قدیم اور جدید کی اقدار میں تفریق کے درجے میں کمی آئی اور قدیم و جدید اقدار نے ایک دوسرے کو متاثر کیا۔ قدیم اقدار کی روحانی کیفیت اور جدید اقدار کی تنویر نے ایک ایسا امتزاجی رنگ اختیار کیا کہ معاشرت اور معیشت کے افق میں دلکش اور رونق افزا قوس قزح نمودار ہوئی جو معاشرے کے فطری رنگ ابھارنے میں معاون اور فعال ثابت ہوئی۔ ندیم کی شاعری نے انسان اور انسانیت کی رہنمائی کی۔ انسان کے مزاج اور جبلّت میں ایسی تبدیلیاں پیدا کیں جن سے کردار اور عمل کو جلا حاصل ہوئی۔ معاشرتی اور معاشی آسودگی اور بہتری کے نظام میں مدد ملی اور سماجی انصاف کی راہیں استوار ہوئیں۔ مزدوروں، مزارعوں، کسانوں، غریبوں بے کسی کے مارے ہوئے لوگوں کو آسودگی اطمینان، سکوں حاصل ہوا۔ طبقاتی تقسیم کی حالت میں بہتری کی صورت دکھائی دینے لگی اور بہتر قابل عمل نظریات اور تصورات کے مطابق معاشی نظام کو قائم کرنے میں مدد ملنے لگی۔ اگرچہ نظام کی بہتری میں مناسب اور موزوں نتیجہ خیزی کی تکمیل میں امکانی صورت دکھائی نہیں دیتی لیکن شاعر کے معاشی تصورات میں ہم آہنگی اور استحکام و موزونیت کی بہ دولت بہتر معاشی نظام کے قیام کی امید دوچند ہو گئی ہے۔

میرے ضمیر میں سیماب وار رقصاں ہیں
وہ ولولے جو بہتے نہیں قماروں سے
میرے شعور میں غلطاں ہے بجلیوں کی چمک
جو بے نیاز ہے ماحول کے حصاروں سے(۱۰)

شاعر انسانی احساسات، جذبات اور تعصبات کی رمزوں اور طرح داریوں سے بخوبی واقف ہے۔ بدلتے ہوئے حالات میں مختلف سانچوں میں ڈھلنے والے انسان شاعر کا موضوع ہیں۔ انسان کی اس تعمیر راتی کیفیت و رفعت معاشی نظام سے وابستہ ہے۔ یہ نظام انسانی اعضاء کو شل کرنے کے لیے مختلف روپ دھارتا ہے۔ غمی اور خوشی جذب و شوق کے محور بدلتے رہتے ہیں۔ وہ عظیم انقلاب زمانہ کے داعی اور مثل آفتاب روشن کرداراس نظام کی تاریکیوں کو منور کرنے کے عمل میں مختلف آزمائشوں اور مصیبتوں سے گزرتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی اردو ادب کے عظیم اور نامور شاعر ہیں دور جدید کے چند اردو شاعروں میں انھیں منفرد مقام حاصل ہے۔ان کی شاعری نقطۂ کمال تک پہنچ چکی ہے۔ان کی شاعرانہ عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس صداقت کا اعتراف کرنا حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ آپ دور جدید کے شاعر ہیں۔آپ نے فکر و شعور کو اظہار کا آہنگ دیا۔ان کی شاعری میں اظہار بلاغت کی ارتقائی منازل طے کرتا دکھائی دیتا ہے۔ان کی شاعری ثابت قدمی فکر و شعور کی سرعت رفتاری، سلامت و روانی اور روایت نگاری کی تاثیر انگیزی کا رنگ روشن امکانات کی قوس قزح بن کر شاعری کے افق پر جگ مگاتا دکھائی دیتا ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کو مقصد کے اظہار کا ذریعہ بنا کر ادب اور زندگی کے درمیان حقیقی رشتہ قائم کیا۔شاعری معاصر زندگی کے مقاصد اور تقاضے مخلصانہ رنگ میں ادا کرنے کے قابل ہو گئی۔شدت واحساس، قوت فکر اور پر اثر اظہار میں معنوی ژولیدگی اور لفظی تاکید کا عنصر ناپید کر دیا۔اگر ان کی شاعری کو تجزیہ و تحلیل کے معیار پر پرکھا جائے تو ان کی شاعری اوہام کی بہ جائے حقائق نگاری، زود فہمی اور لفظی پیچیدگی کی جگہ تراکیب سے معانی کی روح کشید ہوتی محسوس ہو گی۔وہ اپنے خوابوں کو فانوسِ خیال نہیں بننے دیتے۔اس حالت میں ان کا ضمیر حقیقی اطمینان کا ذریعہ اس کے وجود کو گرنے نہیں دیتا بل کہ وہ ہر لمحہ مطمئن دکھائی دیتا ہے۔در حقیقت مسکرانا اور ہر ظلم وجور کے پہاڑ سے ٹکراتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ایسا موزوں اور تاثراتی کردار ندیم کی شاعری کا مرکز و محور ہے جو ہر لمحہ طمانیت کی تصویر بنا احساس خجلت کے لیے جرأت وہمت کا پیکر دکھائی دیتا ہے۔

عالم کو سوزِ عشق دکھانے لگا ہوں میں
اک بھولی بسری بات بتاتے لگا ہوں میں
کیوں میرے قہقہوں کی حقیقت چھپی رہے
دنیا کو دل کے داغ دکھانے لگا ہوں میں
کانٹوں سے کھیلتا ہے میرا مضطرب شباب
آسائشوں کا نام مٹانے لگا ہوں میں
اپنے لہو سے چند شرارے نچوڑ کر
بجھتے ہوئے چراغ جلانے لگا ہوں میں
پر کٹ چکے تو کیا کہ طلب کے خلوص سے
انسان کو آسماں پر بٹھانے لگا ہوں میں(۱۱)

ندیم کی شاعری جرأت وہمت کی داستاں ہے۔ ان کا ہر حرف سوزِ عشق اور جذبہ جنون کی علامت ہے۔ وہ انسانیت کو بھولا ہوا سبق یاددلانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے سوزِ غم سے سوختہ جگر کے داغ دکھا کر دکھوں، صعوبتوں اور آزمائشوں سے سرخرو ہو کر نکلنے، لہو کے چراغ جلانے اور بے دست وپائی کے باوجود رزمِ حیات سے گوہر داد کے حصول میں جد مسلسل کے عمل سے گزرے اور لازوال دائمی زندگی کے نقوش رقم کرتے رہے۔

ندیم کو اپنی زندگی میں آسودگی یاسہولتیں نصیب نہ ہوئیں۔ وہ معاشی تنگیوں اور اقتصادی گرفتوں میں جکڑے رہے لیکن مفلس کی کیفیتوں کا علم تھا۔ ملاحظہ فرمایئے:

جب بھوک سے پھٹ جاتا ہے مفلس کا کلیجا
کہتا ہے خدا نے مجھے کیوں دہر میں بھیجا
بھولا سا یہ بچہ بہشتوں کا کھلونا
کیوں اس کے مقدر میں ہے دن رات کا رونا(۱۲)

ان اشعار سے مفلس و تنگ دست اور بے کس کی مجبوریوں اور لاچاریوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کس طرح شکم دوزخ کی آگ میں جھلس رہا ہے۔ وہ ایک پل معاشی بدحالی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صعوبتوں اور غموں کی اضطرابی حالت میں گرفتار اپنی بدنصیبی کو روتا رہتا ہے۔ غربت اور مفلسی کی درد بھری حالت کا مشاہدہ شاعر کو خون کے آنسو رلا رہا ہے۔ اس کی آنکھیں شدت غم اور احساس کی بھڑک کی وجہ سے جھلس رہی ہیں۔ شاعر کی شاعرانہ بلاغت اور فصاحت ان کے فلسفیانہ نظریہ حیات کی ترجمان ہیں۔ ان کے نظریہ حقیقت و فسادات کو فصیحانہ انداز میں سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ شاعر کا فکر اور اظہار بیان دونوں میں معاشی بہتری اور معاشرتی انتشار کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ شاعر کے لیے عدم مساوات، طبقاتی تقسیم، امیر و غریب کا غیر متوازن درجہ اور افلاس و تنگدستی کی ہلاکت خیز کیفیت مالی مجبوری کی بہ دولت بے بسی کی نفسیاتی الجھنوں کے ادراک کا ذریعہ ہے۔ وہ معاشی ابتری کی وجہ سے انسان کی کیفیت کا منصفانہ انداز میں تجزیہ اور تحلیل کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(1) Dominick salvatori: *Development of Economics*, (Singapor: Mcgraw Hill Book company, 1989)

(2) Paul wonnacott, *Economics*, (New York: Mcgraw Hill Book company, 1986),3.

(۳) علامہ محمد اقبال،ضرب کلیم ،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۳۳ء)،۱۴۹۔

(۴) احمد ندیم قاسمی،شعلہ گل، (لاہور: قومی دارالاشاعت، ۱۹۵۳ء)،۶۰۔

(۵) ایضاً،۶۳۔

(۶) ایضاً،۶۴۔

(۷) ایضاً۔

(۸) احمد ندیم قاسمی،جلا ل و جمال ،(لاہور، نیاادارہ، س ن)،۳۲۷۔

(۹) ایضاً،۵۱۔

(۱۰) ایضاً،۱۱۴۔

(۱۱) ایضاً، ۲۴۰۔

(۱۲) ایضاً،۷۰۔

BIBLIOGRAPHY

- Ahmad Nadeem Qasmi, *Shulah-e Gul*, (Lahore: Qaumi Darul Isha'at, 1953)
- Allama Muhammad Iqbal, *Darb-i Kalīm*, (Lahore: Shaikh Ghulam Ali and Sons,, 1930)
- Dominick Salvatori: *Development of Economics*, (Singapor: Mcgraw Hill Book company, 1989).
- Ibid, *Jalāl-o Jamāl*, (Lahore: Nia Idara)
- Paul Wonnacott, *Economics*, (New York: Mcgraw Hill Book company, 1986).

❖❖❖